عصری مسائل فقہ پر اُصولِ استحسان کا اطلاق: تجزیاتی مطالعہ

Application of Istiḥsān on Contemporary Jurisprudential Issues: Analytical Study

Dr. Arshad Ali
Hod Department of Islamic Studies
Leaders Collage, Mandi Bahaudeen
Email: arshadali0542@gmail.com
Dr.M.Nawaz
Visiting Faculty, Department of Islamic Banking and Finance
International Islamic University, Islamabad
Email: mnawaziiui@gmail.com
Dr.Hafiz.M.Mudassar Shafique
Assistant Professor, Faculty of Social Sciences, Department of Islamic Studies
Lahore Garrison University, Lahore
Email: mudassaraarbi@gmail.com

Abstract
Islam is a cosmopolitan religion. It has provided and will remain providing the solutions of problems for all the ages and terrains of the world. Islamic law is sufficient enough to deal with the emerging scenario. There are two basic sources of Islamic law (Sharī ʿah), the Qur'ān and Ḥadīth. Whereas Ijmā ʿ (scholarly consensus), Qiyās (analogical reasoning), Istiḥsān (juristic preference), Ijtihād (independent reasoning), Istiṣlāḥ (public interest) Istiṣḥāb (presumption of continuity), and 'Urf (common sense) are secondary sources. The Islamic jurisprudence is not amerecollection of strict rules incapable of coping with the new queries in the changing circumstances.
The sources of Islamic jurisprudence fully capable to present solution of different human questions that appear due to change of time and place. Among other secondary sources of Islamic law, one important source is Istiḥsān. This source is used to resolve the issues based on human needs in cases when apparent analogy or common rules do not correspond with the universally accepted purposes of Sharī ʿah. In such cases, the apparent analogy is left to adopt a way that corresponds to the objectives of Sharī ʿah. This process is known as Istiḥsān (juristic preference). The new order is declared Ḥasan or Mustaḥsan which may increase the public welfare and remove the harm and which may become harmonious to the divine wisdom.
Istiḥsān has seven types namely as (1) Istiḥsānbi'l-Naṣṣ (2) Ististanbi'l-Ijmā ʿ (3) Istiḥsānbi'l-Qiyās al-Khafiyyī (4) Istiḥsānbi'l-ḍarūrah (5) Istiḥsān bi'l-'Urfwa 'l-'Ādah (6) Istiḥsānbi'l-Maṣlaḥah (7) Istiḥsānbi'l-Yasīr.
Keywords: Istiḥsān, Qiyās (analogical reasoning), Modern Jurisprudential Judgements, Application, Islamic jurisprudence

کلیدی الفاظ: استحسان، جدید فقہی احکام، اِطلاق، فقہ، دفعِ ضرر، سہولت، قیاس

تعارف:

شریعت اسلامی کے بنیادی دو مآخذ ہیں قرآنِ مجید اور حدیثِ رسول ﷺ۔ جبکہ اجماع، قیاس، استحسان، اجتہاد، استصلاح، استصحاب، عُرف اور سدِّ ذرائع وغیرہ ثانوی مآخذ ہیں، فقہ اسلامی جامد اصول و قوانین کا مجموعہ نہیں کہ وہ بدلتے ہوئے حالات میں نئے مسائل کا حل پیش نہ کر سکے بلکہ مصادرِ فقہِ اسلامی میں یہ خوبی پائی جاتی ہے کہ وہ زمان و مکان کے تغیر سے پیدا ہونے والے متنوع مسائل کا حل پیش رکھتے ہیں اور لوگوں کی تمام جائز دینی و عمرانی ضرورتوں کو پورا کرنے اور مصلحتوں کی حفاظت کرنے کی مکمل استعداد رکھتے ہیں۔ اُنہی مصادر میں سے ایک نہایت ہی اہم مصدر "استحسان" (Juristic preference فقیہانہ ترجیح) ہے۔

استحسان کا لغوی و اصطلاحی معنیٰ:

"استحسان" صیغہ واحد اسمِ مصدر ثلاثی مزید فیہ غیر ملحق برباعی باہمزہ وصل صحیح از باب استفعال اِسْتَحْسَنَ يَسْتَحْسِنُ، اِسْتِحْسَانًا، فَهُوَ مُسْتَحْسِن الخ، جس کے حروفِ اصلیہ "ح، س، ن" ہیں، وَهُوَ فِي اللُّغَةِ اسْتِفْعَالٌ مِنَ الْحُسْنِ،[1] لفظِ اِسْتِحْسَان حُسْن سے مشتق ہے جس کا لغوی معنیٰ ہے "اچھا، اچھی، خوبصورت، پیارا، پیاری" الاستحسان: في اللغة: هو عد الشيء واعتقاده حسناً۔"[2] استحسان لغت میں شیء کو اچھا شمار کرنا اور اُس کے بارے میں اچھا اعتقاد رکھنے کو کہتے ہیں "اصطلاح میں "إنه عبارة عن تخصيص قياس بدليل هو أقوى منه"[3] قیاس کو ایسی دلیل کے سبب خاص کرنا جو کہ قیاس سے بھی قوی تر دلیل ہو" امام زرکشی (المتوفی: ۷۹۴ھ) فرماتے ہیں کہ: "إنه العدول في الحكم من دليل إلى دليل هو أقوى منه"[4] سب سے زیادہ قوی دلیل کی وجہ سے کسی دلیل کے حکم کو ترک کر دینے کا نام استحسان ہے۔"

تمام تعریفات کا خلاصہ: جب عمومی احکام، عمومی نصوص یا قیاسِ ظاہر پر عمل کرنے سے مقاصدِ شریعت میں سے کوئی مقصد متاثر ہو رہا ہو جیسے ضرر، مشقت اور حرج کا یقینی وقوع، تو اِس صورت میں عمومی قواعد سے ہٹ کر یا عام اُصول و ضوابط سے استثنیٰ پیدا کر کے متبادل اقویٰ شرعی دلیل پر عمل کر کے حکم اخذ کیا جاتا ہے وہ متبادل دلیل کبھی نص، کبھی اجماع، کبھی اثر یعنی قولِ صحابی، کبھی ضرورت، کبھی عرف، کبھی مصلحت، کبھی قیاسِ خفی اور کبھی مراعاۃ خلافِ العلماء وغیرہ ہوتی ہے تو ایسی صورت کو استحسان کہتے ہے یہ ایک ایسی جامع ومانع تعریف ہے جس میں استحسان کی تمام اقسام شامل ہو جاتی ہیں۔

استحسان کی اقسام

استحسان کی انواع یہ ہیں:(۱)استحسان بالنص(۲)استحسان بالاجماع(۳)استحسان بالقیاس الخفی(۴)استحسان بالضرورۃ(۵)استحسان بالعُرف(۶)استحسان بالمصلحہ،(۷)استحسان بالتیسیر (۸)استحسان مراعاۃِ خلافِ العلماء

اس بحث کے بعد اب اُن جدید مسائل کو ذکر کیا جارہاہے جن پر اُصولِ استحسان کا اطلاق کر کے حل کیا گیا ہے:

(۱)عقدِ نکاح میں فریقین کے درمیان خاندانی،مالی اور معاشرتی حوالہ سے کفو(برابری) کا اعتبار استحساناًہو گا۔ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ اس کا اعتبار نہ ہو کیوں کہ تمام مسلمان برابر ہیں۔اِسی اُصول پر یہ تفریع بھی ہے کہ والدین کی رضامندی کے بغیر بالغہ لڑکی کی غیر کفو میں شادی کی حوصلہ شکنی کی جائے گی اورماں باپ کو بذریعہ قاضی یامفتی استحساناً تنسیخ نکاح کاحق حاصل ہو گا۔

عقدِ نکاح میں فریقین کے درمیان خاندانی،مالی اور معاشرتی حوالہ سے کفاءۃ کا اعتبار استحساناًہو گا۔قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ اس کا اعتبار نہ ہو کہ تمام مسلمان ایک دوسرے کے ساتھ مساوی ہیں اور کسی کو کسی پر کوئی فوقیت حاصل نہیں ہے قیاس کے قائلین ائمہ کرام کی دلیل یہ ہے:"قال:صلی الله علیه وسلم لیس لعربی علی عجمی، فضل إلا بالتقوی 5 قال الكاسانی ہذا نص؛ ولأن الكَفاء ة لو كانت معتبرةً فی الشرع لكان أَوْلَى الْأَبْوَابِ بالاعتبار بہا بابُ الدِّماءِ ؛ لأنه يُحْتاط فيه ما لا يُحْتاط فی سائر الأبواب، ومع ہذا لم يعتبر حتى يُقْتَلَ الشريفُ بالوضيع، فہہنا أَوْلى، والدليل عليه أنہا لم تعتبر فی جانب المرأة، فكذا فی جانب الزوج."[6]"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:کسی عربی کو کسی عجمی پر سوائے تقویٰ کے فضیلت حاصل نہیں ہے"امام کاسانی(المتوفی:587ہجری)نے فرمایا:(قیاس کے قائلین ائمہ فرماتے ہیں) یہ نص ہے اس کی رو سے اگر کفو شریعت میں معتبر ہوتا تو قصاص میں اس کا اعتبار بدرجہ اولیٰ کیا جاتا اس کی وجہ یہ ہے کہ جس قدر قصاص میں احتیاط کی جاتی ہے باقی ابواب میں احتیاط نہیں کی جاتی اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی اگر کوئی باعزت کسی خسیس(کمتر) کو قتل کر دے تو(قصاص میں) کوئی فرق نہیں کیا جاتا، تو یہاں یعنی نکاح میں بدرجہ اولیٰ نہیں کیا جائے گا اوراسی دلیل پر کفو کا نہ تو عورت کی طرف سے اعتبار کیا جائے گا اور نہ ہی مرد کی طرف سے"

جمہور احناف کی طرف سے استحسان کو اختیار کرنے کی دلیل یہ ہے:"(ولنا) ما روى عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه قال: لا يُزَوِّجُ النِساءَ إلا الأولياءُ ، ولا يُزَوَّجْنَ إلا مِنَ الأَكْفاءِ ، ولا مہرَ أَقَلَّ من عَشَرَةَ دراہمَ ،7 ولأن مصالح النكاح تَخْتَلُّ عند عدم الكَفاء ة؛ لأنہا لا تَحْصُلُ إلا بالاستفراش، والمرأة تستنكف عن استفراش غير الكُفْءِ ، وتُعَيَّرُ بذلك، فتَخْتَلُّ المصالحُ؛ ولأن الزوجين يجرى بينہما مُباسَطات فی النكاح لا يبقى النكاح بدون تَحَمُّلِہا عادةً، والتَحَمُّلُ من غير

الكُفْء أمرٌ صعبٌ يَثْقُل على الطِباع السليمة، فلا يدوم النكاح مع عدم الكفاء ة، فلَزِمَ اعتبارُها. "[8]" اور ہماری دلیل رسول اللہ ﷺ کی حدیث پاک ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: عورتوں کی شادی صرف ان کے وارث ہی کریں اور عورتیں صرف اپنے کفو میں ہی شادی کریں اور دس درھم سے کم مہر نہیں ہے اور اس لئے کہ نکاح کی مصلحتیں عدمِ مساوات کے وقت پوری نہیں ہوتیں اور وہ مصلحت ہم بستری کے ساتھ ہی حاصل ہوتی ہے اور عورت غیر کفو میں ہم بستری کرانے سے شرم محسوس کرتے ہوئے رک جاتی ہے اور اسے عار ہوتی ہے تو اس طرح (نکاح) کی مصلحتیں خالی رہ جاتی ہیں اور اس لئے بھی کہ نکاح میں زوجین کے درمیان خوشی اور مسرت کے کثیر معاملات ہوتے ہیں اور عادۃً نکاح ان معاملات کو برداشت کرنے کے بغیر باقی نہیں رہتا اور غیر کفو میں برداشت کرنا انتہائی مشکل ترین کام ہے نفیس ترین عورتوں کے لئے یہ کام بھاری ہے، پس اسی لئے غیر کفو میں نکاح ہمیشگی اختیار نہیں کرتا (تو ثابت ہوا کہ نکاح میں مساوات) کا اعتبار کرنا (استحساناً) لازم ہے"۔ استحسان کو اختیار کرنے کی دوسری دلیل عُرف ہے کہ رشتۂ ازدواج کے استحکام کے لیے ایسے امور کو پیشِ نظر رکھا جاتا ہے جن سے فریقین کے درمیان موافقت کو فروغ اور تنازع کی حوصلہ شکنی ہو اس لئے کفاءۃ کا اعتبار ہو گا۔

اگر عورت غیر کفو میں شادی کرلے تو اس حوالے سے شرعی حکم یہ ہے: امام السرخسی (المتوفی: ۵۸۷ ہجری) لکھتے ہیں: "**إذا زوجت المرأة نفسها من غير كُفو فللأولياء أن يُفَرِّقوا بينهما؛ لأنها أَلْحَقَتِ العارُ بالأولياء فإنهم يتعيرون بأن يُنْسَبَ إليهم بالمصاهرة من لا يُكَافِئُهم فكان لهم أن يُخَاصِمُوْا؛ لدفع ذلك عن أنفسهم، ولا يكون التفريق بذلك إلا عند القاضي**؛"[9] جب عورت اپنی مرضی سے غیر کفو میں شادی کرلے تو وارثوں کو تفریق کا حق حاصل ہے؛ اس لئے کہ اس نے عار (شرمندگی) کو ورثاء کی طرف منسوب کر دیا ہے پس وہ شرم محسوس کرتے ہیں کہ ان کی طرف ایسے رشتۂ ازدواج کی نسبت کر دی جائے جو ان کے ہم پلہ نہ ہو اس لئے ان کو اختیار حاصل ہے کہ وہ مخالفت کریں؛ تاکہ اپنی ذات سے شرمندگی کو دور کر سکیں، اور تفریق قاضی کے سامنے ہو گی"

ڈاکٹر وھبہ الزحیلی لکھتے ہیں: "**فإن زوجت المرأة نفسها من غير كفو لها، كان للأولياء حق الاعتراض، ويفسخ القاضي العقدَ إن ثبت له عدمُ كفاء ة الزوج دفعاً للعار. وهذا متفق عليه بين المذاهب**" [10] پس اگر عورت اپنی مرضی سے غیر کفو میں شای کرلے تو وارثوں کو اعتراض کا حق حاصل ہے اور اگر خاوند کی طرف سے عدمِ کفو قاضی کے سامنے ثابت ہو جائے گا تو قاضی عار کو ختم کرنے کے لئے عقد کو فسخ کر دے گا اور یہ تمام مذاہب میں متفق

علیہ ہے کفو یعنی برابری جن باتوں میں کی جائے گی وہ یہ ہیں: "النسب ، الحرية، المال، الحرف، الحسب،"[11] نسب (ذات، برادری)، آزادی، مال و دولت، ذریعۂ معاش، حسب (خاندانی شرافت)"

والدین کی رضامندی کے بغیر بالغہ لڑکی کا شادی کرنا:

یہاں تک دلائل کی روشنی میں یہ بات ثابت ہو چکی کہ لڑکی غیر کفو میں والدین کی مرضی کے بغیر شادی نہ کرے کیوں کہ وہ ایسا کرے گی تو والدین عدالت کے ذریعے فسخِ نکاح کرواسکتے ہیں، میڈیا نے ہمارے معاشرے کی لڑکیوں کو اتنا دلیر بنادیا ہے کہ وہ اکثر غیر کفو میں وارثوں کی اجازت کے بغیر عدالت میں شادی کر لیتی ہیں اور پھر ساری زندگی بے شمار مسائل سے دوچار ہو جاتی ہے کیوں کہ ایسی شادی میں اکثر تمام تر رشتہ دار چھوٹ جاتے ہیں اور وہ صرف اور صرف خاوند کے رحم و کرم پر ساری زندگی گزارتی ہے اور نکاح کے بعد جب لڑکے کی اصلیت معلوم ہوتی ہے تو اب وقت گزر چکا ہوتا ہے اور لڑکی کے بھاگ کر شادی کی صورت میں تمام وارث بالخصوص والدین اور بہن بھائیوں کا تو ہمارے مشرقی اسلامی معاشرے میں سر اٹھا کر عزت کی زندگی بسر مشکل ہو جاتا ہے اور ان کو ہر جگہ طعنے ملتے ہیں اور گاؤں میں اکثر ایسی لڑکیوں کو لڑکوں سمیت قتل کر دیئے جانے کے واقعات آئے روز سامنے آتے رہتے ہیں اس طرح بالغہ لڑکیوں کا یہ انتہائی اقدام بے شمار نقصانات، خرافات اور لڑائی جھگڑوں کا باعث بنتا ہے اس لئے ازروئے استحسان حکومتِ وقت کو کفو اور سدُّ الذرائع کے طور پر ایسی شادیوں پر پابندی لگا دینی چاہیے ساتھ ساتھ والدین کو بھی چاہیے کہ وہ شادی کرنے میں عاقلہ بالغہ بیٹی کی رضا بھی ضرور شامل کرلیں تاکہ اچھے نتائج میسر آسکیں۔

(۲) جہیز کی اشیاء کی ملکیت میں استحسان بالعرف کا اعتبار کیا جائے گا۔ اور جہاں تک ایسے سامان کا تعلق ہے جو مشترکہ نوعیت کا ہو جیسے فرنیچر اور گھریلو استعمال کی اشیاء، قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ ایسا سامان مشترکہ ملکیت میں ہو اور اس پر تصرف کے لئے باہمی رضامندی ضروری ہے۔ لیکن عُرف کی بنیاد پر ازروئے استحسان وہ سامان دلہن کی ملکیت شمار ہو گا۔

شادی کے موقع پر لڑکی کے والدین کی جانب سے جو مال دیا جاتا ہے اس کو عرفِ عام میں جہیز کہتے ہیں اس میں جو چیزیں خالصتاً مردوں کے استعمال میں آتی ہیں وہ ازروئے عرف دولہا کی شمار ہوں گی جیسے مردانہ لباس اور گھڑی وغیرہ اور جو چیزیں خالصتاً خواتین کے استعمال میں آتی ہیں وہ دلہن کی ہوں گی جیسے زنانہ کپڑے اور زیورات وغیرہ۔ اور جہاں تک ایسے سامان کا تعلق ہے جو مشترکہ نوعیت کا ہو جیسے فرنیچر اور گھریلو استعمال کی اشیاء، قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ ایسا سامان مشترکہ ملکیت میں ہو اور اس پر تصرف کے لئے باہمی رضامندی ضروری ہے لیکن استحسان بالعرف کی بنیاد پر وہ سامان دلہن کی ملکیت شمار ہو گا کیوں کہ ہمارے ہاں ایسا سامان دلہن کو ہی دینا مقصود ہوتا

ہے لہٰذا وہ اس پر مالکانہ تصرف کا حق رکھتی ہے۔[12] اس پر دلیل یہ ہے علامہ شامی(المتوفی: 1252ھ) فرماتے ہیں:"فإِنَّ كُلَّ أحدٍ يَعْلَمُ أن الِجهازَ مِلكُ المرأة وأنه إذا طَلَّقَها تأخُذُه كُلَّه، وإذا ماتت يُورِث عنها ولا يختص بشيء منه"[13] ہر شخص جانتا ہے کہ جہیز عورت کی ملکیت ہوتا ہے اور جب شوہر اس کو طلاق دے دے تو وہ تمام جہیز لے لیتی ہے، اور اگر عورت مر جائے تو جہیز اس کے وارثوں کو دے دیا جاتا ہے شوہر اس میں سے اپنے لئے کچھ بھی مختص نہیں کر سکتا"اس ساری بحث سے یہ بات واضح ہو گئی کہ جہیز کے سامان کے سلسلے میں استحسان بالعرف کا اعتبار کیا جائے گا۔

(۳): نکاح کی سنت ادا کرنے کے لئے دوست، احباب اور رشتہ داروں کو بلا کر محفل اور مجلس کا انعقاد کرنا استحساناً درست ہے۔ قیاس کا تقاضا ہے کہ یہ درست نہ ہو کیوں کہ خیر القرون میں ایسی محافل کا انعقاد نہیں کیا جاتا تھا۔

سُنتِ نکاح کی تقاریب سجانا استحساناً مستحب عمل ہے۔ قیاس کا تقاضا ہے کہ یہ درست نہ ہو کیوں کہ خیر القرون میں ایسی تقاریب کا وجود نہیں پایا جاتا اس پر دلیل یہ ہے کہ:"عن جابر بن عبد الله رضي الله عنهما، قال: هلَک أبي وترک سبعَ بناتٍ أو تسعَ بناتٍ، فتَزَوَّجْتُ امرأةً ثيبا، فقال لي رسول الله صلى الله عليه وسلم: تَزَوَّجْتَ يا جابر؟ فقلتُ: نعم، فقال: بِكرا أم ثيبا؟ قلتُ: بل ثيبا، قال: فهلا جارية تُلاعِبُها وتُلَاعِبُکَ، وتُضاحِكُها وتُضاحِكُک قال: فقلتُ له: إن عبدَ الله هلَک، وترک بنات، وإني كَرِہْتُ أن أَجِيئَہن بمثلهن، فتزوجتُ امرأة تقوم عليهن وتُصلِحُہن، فقال: بارک الله لک أو قال: خيرا"[14] حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: میرے والد کا وصال ہو گیا اور انہوں نے سات یا نو بیٹاں چھوڑیں پھر میں نے ایک بیوہ عورت سے شادی کر لی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے جابر! کیا آپ نے شادی کر لی ہے؟ تو میں نے عرض کی، جی ہاں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: کنواری ہے یا بیوہ؟ میں نے عرض کی بلکہ بیوہ ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: تم نے کسی کنواری سے شادی کیوں نہ کی؟ کہ تم اس سے کھیلتے اور وہ تم سے کھیلتی اور تم اس سے خوش طبعی کرتے اور وہ تم سے خوش طبعی کرتی، تو میں نے عرض کی عبد اللہ (رضی اللہ عنہ) شہید ہو گئے تھے اور انہوں نے بیٹیاں چھوڑی ہیں، اور میں نے ناپسند جانا کہ میں ان لڑکیوں کے سامنے ان کی ہم عمر لڑکی کو بیاہ کر لے آؤں تو پھر میں نے ایسی عورت سے نکاح کیا جو ان کی نگہداشت اور خبر گیری کرے تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تجھے برکت دے یا آپ ﷺ نے کوئی اور کلمہ خیر فرمایا:"عن أنس، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم رأى على عبد الرحمن بن عوف أثرَ صُفْرَةٍ، فقال: ما هذا؟

فقال: إني تزوجت امرأة على وزن نَواة من ذَهَب، فقال: بارک الله لک، أَوْلِم ولو بشاة.[15]"

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ پر زرد رنگ یا سنہری رنگ دیکھا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: یہ کیا ہے؟ حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے عرض کی: میں نے ایک عورت سے کھجور کی گٹھلی کے برابر سونے کے وزن پر شادی کی ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ تجھے برکت عطاء فرمائے ولیمہ کرو اگرچہ ایک بکری ہی ہو"

مذکور الصدر دونوں احادیث مبارک سے استدلال کرتے ہوئے جسٹس محمد تقی عثمانی کی رائے یہ ہے کہ:

عہدِ رسالت مآب ﷺ میں مجلسِ نکاح قائم کرنے اور احباب، اکابر اور مشائخ کو دعوت کا رواج نہ تھا یہی وجہ تھی کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اپنے نکاح میں حضور ﷺ کو دعوت نہیں دی کیوں کہ آپ ﷺ نے پوچھا کیا تم نے شادی کرلی ہے؟ حالانکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بہت قوی رابطہ تھا اور آپ ﷺ نے شادی کی خبر سن کر دعائے خیر کی اور یہ نہیں فرمایا کہ تم نے عقدِ نکاح میں مجھے کیوں نہیں بلایا؟ اگر مجلسِ نکاح کو قائم کرنا اور اس میں متعلقین کو دعوت دینا دین میں مطلوب ہوتا تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کو دعوت دینا نہ بھولتے، اسی طرح حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے نکاح کی مجلس منعقد کی نہ آپ ﷺ کو دعوت دی حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے جسم سے رنگ کے آثار دیکھ کر خود ان کی شادی کے بارے میں پوچھا، اس سے معلوم ہوا کہ عہدِ رسالت میں مجلسِ نکاح قائم کرنے کا رواج نہ تھا بلکہ عہدِ صحابہ میں بھی ایسا رواج نہ تھا۔[16]

مذکورہ عبارت پر تبصرہ کرتے ہوئے اور مجلسِ نکاح کے انعقاد کو ازروئے استحسان ثابت کرتے ہوئے علامہ غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں: "مفتی محمد تقی عثمانی نے یہ جو لکھا ہے بالکل صحیح ہے نکاح کرنا سنت ہے لیکن اس سنت کے لئے مجلس اور محفل کو منعقد کرنے کا رواج خیر القرون نہ تھا لیکن اب برس ہا برس سے مسلمانوں میں یہ معمول ہے کہ سنتِ نکاح کو منعقد کرنے کے لئے محفل کا انعقاد کیا جاتا ہے رشتہ داروں، احباب، مشائخ واکابر اور متعلقین کو اس میں دعوت دی جاتی ہے اور تمام بلادِ اسلامیہ میں یہ عمل جاری وساری ہے اور ظاہر ہے کہ یہ عمل بدعت سیّئہ نہیں ہے۔ اور تمام دنیا کے مسلمان گمراہی پر مجتمع نہیں ہوئے (جیسا کہ حدیث پاک میں ہے): "**أنس بن مالك يقول: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: "إن أمتي لن تجتمع على ضلالة، فإذا رأيتم الاختلاف فعليكم بالسواد الأعظم**"[17] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: "بے شک میری امت ہر گز گمراہی پر جمع نہیں ہو گی، پس جب تم اختلاف دیکھو تو سوادِ اعظم کو لازم پکڑو" اور

محفل منعقد کرنے والوں میں سے کوئی بھی اس کو فرض یا واجب اور مطلوب فی الدین سمجھ کر نہیں کرتا، بلکہ سب کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ عقدِ نکاح ایک خوشی کا موقع ہے اور اپنی خوشی میں اپنے احباب کو شریک کرنا اور اس بہانہ ان سے ملاقات کرنا اور احباب اور اکابر کی ضیافت کرنا ایک مستحسن کام ہے (یعنی از روئے استحسان کوئی حرج نہیں ہے) فقہی اصطلاح میں اس کو مستحب بھی کہا جاسکتا ہے (جس کی تعریف یہ ہے):"**المستحب: اسم لِمَا شُرِعَ زيادةٌ على الفرض والواجبات**۔"[18] مستحب سے مراد وہ چیز ہے جو شرعاً مباح ہو اور فرض وواجب پر زائد ہو" عہدِ رسالت اور عہدِ صحابہ میں اس کا رواج اس لئے نہیں تھا کہ وہ بالکل سادہ لوگ تھے اور تہذیب و تمدن کے یہ تقاضے ان کے ہاں متعارف نہیں تھے، زمانہ جس طرح آگے بڑھتا رہا تہذیب وثقافت کی نئی اقدار سامنے آتی رہیں ان اقدار میں سے جو چیزیں کتاب وسنت کے خلاف نہیں ہیں اور جن چیزوں سے شریعت نے منع نہیں کیا، ان کو اپنا لینے میں کوئی حرج نہیں ہے بلکہ ان میں سے جو چیزیں شریعت کے کسی عام اصول کے تحت ہوں تو وہ یقینا مستحب ہوں گی اور جن چیزوں سے شریعت نے منع کیا ہے مسلمانوں کو ان سے اجتناب کرنا لازم ہے۔[19]

یہاں قیاس کو ترک کرکے استحسان بالنص اور استحسان بالعرف کے ذریعے عقدِ نکاح کے لیے دوست واحباب اور رشتہ داروں کو بلا کر تقریبِ شادی کا انعقاد کرنا شرعاً مباح قرار دیا گیا ہے۔

(۴) اگر شوہر بیوی کو طلاق دے نہ خرچہ، قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ دونوں میں تفریق نہ کی جائے لیکن استحسان بالضرورت اور استحسان بالمصلحت کی بناء پر دونوں میں تفریق کر دی جائے گی۔

ہمارے زمانے میں بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ شوہر بیوی کو نہ خرچہ دیتا ہے اور نہ اس کو طلاق دیتا ہے تو ایسی صورتِ حال میں بیوی عدالت میں مقدمہ دائر کر دیتی ہے شوہر عدالت میں پیش نہیں ہوتا اور عدالت گواہوں کی بنیاد پر یک طرفہ فیصلہ کرکے اس نکاح کو فسخ کر دیتی ہے اور اس کو موجودہ مجسٹریٹ اپنی اصطلاح میں خلع سے تعبیر کرتے ہیں۔[20] جسے درحقیقت استحسان بالضرورت اور استحسان بالمصلحت کا نام دینا چاہیے جب کہ قیاس کا تقاضا ہے کہ دونوں میں تفریق نہ کی جائے لیکن ضرورت اور مصلحت کی بناء پر از روئے استحسان دونوں میں تفریق کر دی جائے گی اس پر دلائل یہ ہیں:

(الف) نفقہ سے عجز کی وجہ سے زوجین کی تفریق پر قرآن مجید سے استدلال:

" **فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسٰنٍ**"[21] یاتو معروف اور مروج طریقے سے بیوی کو اپنے پاس رکھو ورنہ شائستگی سے علیحدہ کر دو"

"فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَّ لَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَه" [22] پس اپنی بیویوں کو حسنِ سلوک کے ساتھ رکھو ورنہ ان کو معروف طریقے سے علیحدہ کردو اور ان پر زیادتی کرنے اور ضرر پہنچانے کی نیت سے ان کو اپنے پاس نہ رکھو"

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی (المتوفی: ۶۷۱ہجری) مذکورہ بالا آیت کی روشنی میں لکھتے ہیں: "قوله تعالٰی: (فأمسكوهن بمعروف) الإمساك بالمعروف هو القيام بما يجب لها من حق على زوجها، ولذلك قال جماعة من العلماء :إن من الإمساك بالمعروف أن الزوج إذا لم يجد ما ينفق على الزوجة أن يُطلِّقها، فإن لم يفعل خرج عن حد المعروف، فيُطلِّق عليه الحاكمُ من أجل الضرر اللاحقِ لها من بقائها عند من لا يَقْدِر على نفقتها، والجوعُ لا صبر عليه." [23] اللہ تعالیٰ کا فرمان: (پس اپنی بیویوں کو حسنِ سلوک کے ساتھ رکھو) معروف طریقے کے ساتھ روکنے سے مراد خاوند کا اپنی بیوی کے حقوق کی ادائیگی ہے اور اسی وجہ سے علماء کی ایک جماعت نے یہ کہا ہے کہ خاوند کے پاس جب بیوی کو نفقہ دینے کی طاقت نہ ہو تو اس کو چاہیے کہ وہ بیوی کو طلاق دے دے، اگر اس نے ایسا نہیں کیا تو وہ بیوی کو معروف طریقہ سے علیٰحدہ کرنے کی حد سے نکل گیا پھر حاکم کو چاہئے کہ وہ اس کی بیوی پر طلاق واقع کردے، کیوں کہ جو شخص اس کو خرچ دینے پر قادر نہیں ہے اس کے نکاح میں رہنے سے اس عورت کو ضرر لاحق ہو گا اور بھوک پر صبر نہیں ہو سکتا۔"

ذکر کردہ آیات اور علامہ طبری کی تفسیر سے پتہ چل گیا کہ اللہ تعالیٰ نے شوہر کے لئے صرف دو صورتیں رکھی ہیں یا تو معروف طریقہ سے نان، نفقہ اور سکنیٰ دے کر بیوی کو اپنے ساتھ رکھے ورنہ شائستگی سے طلاق دے دے۔ اس لئے جو شخص بیوی کا نفقہ دینے سے عاجز ہو اور بیوی بھی ایسی حالت میں رضامند نہ ہو اس پر لازم ہے کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے۔

(ب) زیرِ بحث مسئلہ پر حدیث نبوی ﷺ:

"عن أبي هريرة ---قال: ومن أَعُوْلُ يا رسول الله؟ ,قال: " امرأتک تقول:أَطْعِمْنِي وإلا فَارَقْنِي "

[24] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ (ﷺ) میرا عیال کون ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "تمہاری بیوی! جو کہتی ہے: مجھے کھلاؤ یا مجھ کو علیٰحدہ کردو"

مذکورہ بالا حدیث مبارک سے یہ بات بالکل واضح ہو گئی ہے کہ اگر کوئی خاوند خرچہ بھی نہیں دیتا اور طلاق بھی نہیں دیتا اور اپنی زوجہ کو تنگ کرنے اور تکلیف سے دوچار کرنے کے لئے درمیان میں لٹکائے رکھتا ہے بیوی کو اس سے علیحدہ ہونے کا حق حاصل ہے۔

(ج)زیرِ تحقیق مسئلہ فقہ کی نظر:

اسی مسئلہ کی مزید وضاحت فقہ کی کتب سے بیان کی جارہی ہے اَبو الولید، ابن رشد (المتوفی: ۵۹۵ ہجری) لکھتے ہیں:
"أما الإِعساربالنفقة:فقال مالك والشافعي،وأحمد،وأبو ثور،وأبو عبيد وجماعة :يُفَرَّقُ بينهما،وهو مروى عن أبي هريرة،و سعيد بن المسيب. وقال أبو حنيفة، والثورى : لا يُفَرَّقُ بينهما، وبه قال أهل الظاهر. وسبب اختلافهم: تشبيه الضرر الواقع من ذلك بالضرر الواقع من العُنَّة."[25] بیوی کو خرچہ دینے سے عاجز شوہر کے بارے میں امام مالک، امام شافعی، امام احمد، ابو ثور، ابو عبید رضی اللہ عنہم اور ایک جماعت نے فرمایا: کہ میاں بیوی میں تفریق کر دی جائے گی اور حضرت ابو ھریرہ اور سعید بن مسیب رضی اللہ عنہما سے بھی اسی طرح مروی ہے، اور امام ابو حنیفہ اور امام ثوری رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کہ دونوں میں تفریق نہیں کی جائے گی اور اہل ظاہر کی بھی یہی رائے ہے، اور ان کے اختلاف کا سبب یہ ہے کہ جمہور کے نزدیک نفقہ سے عجز کا ضرر بھی اسی طرح واقع ہوتا ہے جس طرح جماع سے عجز کا ضرر واقع ہوتا ہے یعنی جمہور کے نزدیک نفقہ کا عجز عنین (نامرد) کے مشابہ ہے جب کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک نفقہ سے عاجز ہونا عنین کے مشابہ نہیں ہے)"

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ فقہ حنفی کو چھوڑ کر ائمہ ثلاثہ کے متفق علیہ فیصلہ کو وجۂ جواز بناء کر کیوں فتویٰ دیا جارہا ہے حالاں کہ جواز کا فتویٰ دینے والے مفتیان کرام حنفی ہیں ؟اس بات کا جواب علامہ شامی (المتوفی:۱۲۵۲ہجری) دیتے ہوئے لکھتے ہیں:**"لو بَرْهَنَ على الغائب، وغلَب على ظن القاضى أنه حق لا تزويرٌ، ولا حِيْلةَ فيه فينبغى أن يَحْكُمَ عليه وله، وكذا للمفتى أن يُفْتِيَ بجوازه دفعا للحرج والضرورات وصيانةً للحقوق عن الضياع مع أنه مجتهد فيه، ذهب إليه الأئمةُ الثلاثةُ وفيه روايتان عن أصحابنا، وينبغى أن يُنَصَّبَ عن الغائب وكيل يَعرِف أنه يُراعِي جانبَ الغائب ولا يُفَرِّطَ فى حقه ---قلت: وظاهره ولو كان القاضى حنفيا ولو فى زماننا ولا ينافى ما مر؛ لأن تجويز هذا للمَصْلَحَةِ والضَرورة"** [26] اگر غائب کے خلاف دلیل قائم کر دی گئی اور قاضی کا گمان غالب ہے کہ یہ حق ہے جھوٹ نہیں اور نہ اس میں کوئی حیلہ ہے تو غائب کے خلاف یا اس کے حق میں فیصلہ کر دینا چاہیے اسی طرح مفتی بھی دفعِ حرج، ضرورۃً اور لوگوں کے حقوق ضائع ہونے سے بچانے کی خاطر یہ فتویٰ دے سکتا ہے، علاوہ ازیں یہ مسئلہ مجتہد فیہ ہے، ائمہ ثلاثہ کا یہی مذہب ہے اور ہمارے اصحاب کے بھی اس میں دو قول ہیں اور مناسب یہ ہے کہ غائب کی طرف سے ایک وکیل کر لیا جائے جس کے بارے میں معلوم ہو کہ وہ غائب کی رعایت کرے گا اور اس کے حق میں کمی نہیں کرے گا۔۔۔ مَیں اس کی ظاہری حالت کے بارے میں کہتا ہوں کہ خواہ قاضی حنفی ہو اور خواہ ہمارے

زمانہ میں ہو اور یہ قاعدہ پہلے قاعدہ کے خلاف نہیں ہے کیوں کہ اس قاعدہ کو ضرورت اور مصلحت کی بناء جائز قرار دیا گیا ہے (یعنی استحسان بالضرورت اور استحسان بالمصلحت کے تحت مباح ہے)۔"

ایک دوسرے مقام پر خلافِ مذہب فتویٰ دینے کے حوالے سے علامہ شامی (المتوفی: ۱۲۵۲ہجری) لکھتے ہیں: "**وہذا أوسع فیجوز الأخذ به وإن لم یکن مذہبنا، فإن الإنسان یعذر فی العمل به عند الضرورة**"[27] اس میں زیادہ وسعت ہے اس لئے اس پر عمل کرنا جائز ہے اگرچہ یہ ہمارا مذہب نہیں ہے کیوں کہ ضرورت کے وقت انسان اس پر عمل کرنے میں معذور ہے" یہاں بھی استحسان بالضرورت کی رو سے جواز کی گنجائش دی گئی ہے۔

(د) استحسان مراعاۃِ خلافِ العلماء:

علامہ شامی کی اس عبارت سے واضح ہو گیا کہ جس مسئلہ میں ائمہ مجتہدین کا اختلاف ہو اس میں حنفی مفتی ضرورت اور مصلحت کی بناء پر دوسرے امام کے قول پر فتویٰ دے سکتا ہے اور اسے ہی استحسان مراعاۃِ خلافِ العلماء کہتے ہیں اور اس کا فیصلہ نافذ ہو گا۔ البتہ مستحسن یہ ہے کہ دوسرے مذہب کے قاضی کو نائب رکھ لیا جائے اور اس سے فیصلہ کرایا جائے لیکن اگر حنفی قاضی خود بھی فیصلہ کر دے تو یہ اس زمانہ میں جائز ہے اس بات سے عیاں ہوتا ہے کہ فقہِ حنفی میں لوگوں کی ضرورت اور سہولت کا کتنا خیال رکھا جاتا ہے۔

اسی مسئلہ پر دورِ حاضر سے بھی دلیل پیش کی جاتی ہے اس بارے میں علامہ غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں:

"طلاق دینا مرد کے اختیار میں ہے لیکن اگر مرد عورت پر تعدی اور ظلم کرتا ہے اور اس کو طلاق نہیں دیتا تو عورت کو حق ہے کہ وہ عدالت سے نکاح فسخ کرا لے اور مذہبِ مالکیہ کے مطابق یہ تفریق ہو جائے گی، اسی طرح اگر خاوند تنگ کرنے کے لئے عورت کو نفقہ دے نہ طلاق، تب بھی عورت عدالت سے تفریق کرا سکتی ہے۔"[28]

تمام دلائل سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اگر کوئی عورت اپنے خاوند کے خلاف یہ مقدمہ دائر کرے کہ اس کا شوہر اس کو خرچ دیتا ہے نہ طلاق، اور وہ اس پر گواہ قائم کر دے اور خاوند بلانے پر بھی عدالت میں پیش نہ ہو تو عدالت دفعِ حرج، مصلحت اور ضرورت کی بناء پر استحساناً ائمہ ثلاثہ کے مذہب پر فیصلہ دیتے ہوئے میاں بیوی کے درمیان تفریق کر دے۔ یعنی ثابت ہوا کہ ضرورت کی بناء پر دوسرے مذہب پر فتویٰ دینا جائز ہے اسے استحسان مراعاۃِ خلافِ العلماء کہتے ہیں۔

قرآن مجید، حدیث مبارک اور فقہ کی کتب سے دلائل کے ساتھ بشری استطاعت کے مطابق امتِ مسلمہ کی بھلائی کی خاطر اس مسئلہ کو ذکر کر دیا گیا ہے کیوں کہ ہمارے زمانہ میں جب کوئی مظلوم عورت ہمارے زمانہ کے

مفتیوں کے پاس جاتی ہے جس کو خاوند نہ خرچ دیتا ہے نہ طلاق، خاوند عدالت میں پیش نہیں ہوتا اور عدالت یک طرفہ ڈگری جاری کر دیتی ہے تو اس زمانے کے بعض مفتی اس فیصلہ کو تسلیم نہیں کرتے اور اس عورت کو عقدِ ثانی کی اجازت نہیں دیتے اور وہ عورت یہ کہتی ہے کہ شاید اس مسئلہ کا حل اسلام میں نہیں ہے حالاں کہ در حقیقت ایسا نہیں ہوتا بلکہ اسلام کے اصولِ استحسان نے اس مسئلہ کا حل بھی بطریقِ احسن پیش کر دیا ہے اور عملاً ادیانِ عالم پر واضح کر دیا ہے کہ اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔

(۵)ضبطِ تولید(Birth Control)کی بعض صورتیں جائز اور بعض ناجائز ہیں، اور جو جائز ہیں وہ ازروئے استحسان جائز ہیں۔ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ جائز نہ ہوں۔ اس پر دلائل یہ ہیں: "وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَ اِيَّاهُمْ"[29] اور اپنی اولاد قتل نہ کرو مفلسی کے باعث ہم تمہیں اور انہیں سب کو رزق دیں گے "وَ لَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَ اِيَّاكُمْ"[30]

"اور اپنی اولاد کو قتل نہ کرو مفلسی کے ڈر سے ہم تمھیں بھی اور انہیں بھی روزی دیں گے" وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا"[31] اور زمین پر چلنے والا کوئی ایسا نہیں جس کا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمّہ کرم پر نہ ہو "أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: تناكَحُوا، تَكَثَّرُوا، فإنی أُباہی بكم الأممَ يوم القيامة."[32] یقیناً نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تم نکاح کرو، (اولاد میں) کثرت کرو، پس بے شک میں قیامت کے دن تمام امتوں کے سامنے تم پر فخر کروں گا" ان دلائل کی روشنی میں علامہ غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ نے قتل ولد کی حرمت کی جو علت بیان کی ہے وہ تنگیِ رزق کا ڈر ہے پس جو شخص ضبطِ تولید کا عمل تنگیِ رزق کی بناء پر کرتا ہے اس کا یہ فعل بلاشبہ حرام ہے کیوں کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے قتلِ اولاد کو حرام کی یہی علت بیان فرمائی ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ خاندانی منصوبہ بندی والے ملک کی بڑھتی ہوئی آبادی کو کم کرنے کے لئے تنگیِ رزق سے ڈر کر ضبطِ تولید کی ترویج کرتے ہیں اور ان کے تمام تر اشتہارات اور ترغیبات کا حاصل یہی ہوتا ہے کہ بچے کم ہوں گے تو خوشحال گھرانہ ہوگا اور یہ فکر قرآن مجید کے بیان کردہ حکم کے یکسر خلاف ہے۔"[33] ازروئے استحسان جن صورتوں میں مخصوص حالات کے تحت انفرادی طور پر ضبطِ تولید جائز ہے وہ حسبِ ذیل ہیں:

(۱)لونڈیوں سے ضبطِ تولید کرنا تاکہ اولاد مزید لونڈی اور غلام بننے سے محفوظ رہے، ہر چند کہ اب لونڈی غلاموں کا رواج نہیں ہے۔ لیکن اسلام کے احکام دائمی اور کلی ہیں اگر کسی زمانہ میں یہ رواج ہو جائے تو لونڈیوں کے ساتھ ضبطِ تولید کا عمل جائز ہوگا۔

(۲)اگر سلسلۂ تولید کو قائم رکھنے سے عورت کے شدید بیمار ہونے کا خدشہ ہو تو ضبطِ تولید جائز ہے۔

(۳) اگر مسلسل پیدائش سے بچوں کی تربیت اور نگہداشت میں حرج کا خدشہ ہو تو پیدائش میں وقفے کے لئے ضبطِ تولید جائز ہے کیوں کہ جب گھر میں صرف ایک عورت ہو اور نو دس ماہ بعد دوسرا بچہ آجائے تو اس کے لئے دونوں بچوں کو سنبھالنا مشکل ہو جاتا ہے۔

(۴) حمل اور وضعِ حمل کے وقفوں کے دوران بعض صورتوں میں انسان اپنی خواہش پوری نہیں کر سکتا، اس لئے زیادہ عرصہ تک بیوی سے جنسی خواہش پوری کرنے کی نیت سے ضبطِ تولید جائز ہے۔

(۵) عام طور پر بچوں کی پیدائش سے عورت کا حسن و جمال کم یا ختم ہو جاتا ہے اس لئے اگر وہ عورت کے حسن و جمال کو قائم رکھنے کے لئے یہ عمل کرے تو صحیح ہے جیسا کہ امام غزالی (المتوفی:۵۰۵ہجری) نے لکھا ہے:

"زیادہ بچوں کی پرورش اور تعلیم و تربیت کی خاطر انسان کو آمدنی کے لئے زیادہ محنت و مشقت کرنی پڑتی ہے انسان دوہری، تہری نوکریاں اور زائد وقت (over time) لگاتا ہے اور بسا اوقات ناجائز وسیلوں کو بھی اختیار کرتا ہے اپنے آپ کو اس محنت و مشقت سے بچانے اور بارِ معیشت کو کم کرنے کے لئے یہ عمل جائز ہے کیوں کہ جس قدر آمدنی کے لئے مشقت کم ہو گی وہ اتنا ہی عبادت کے لئے فارغ ہو گا امام غزالی نے بھی یہ وجہ اختیار کی ہے۔"[34]

(۶) بعض عورتوں کو آپریشن سے بچہ ہوتا ہے بیوی کو آپریشن کی تکلیف اور جان کے خطرہ سے بچنے کے لئے یہ عمل جائز ہے۔

(۷) جب پیٹ میں مزید آپریشن کی گنجائش نہ رہے تو ایسا طریقہ اختیار کرنا واجب ہے جس سے سلسلہ تولید بالکل بند ہو جائے۔

(۸) اگر ماہر ڈاکٹر یہ کہے کہ مزید بچہ پیدا ہونے سے عورت کی جان خطرہ میں پڑ جائے گی تب بھی سلسلہ کو بند کرنا واجب ہے وغیرہ وغیرہ۔[35]

الغرض جہاں ضرورت ہو گی وہاں ضبطِ تولید جائز ورنہ ناجائز ہو گی۔ ضرورت اور مجبوری کے وقت از روئے استحسان ضبطِ تولید کو جائز قرار دیا گیا ہے کیوں کہ :"**مواضع الضرورة مستثناة عن قواعد الشرع.**"[36] ضرورت کے مواقع شریعت کے عمومی قواعد سے مستثنیٰ ہوتے ہیں"**الضرورات تُبِيْحُ المحظورات**"[37] ضرورتیں ممنوع اشیاء کو بھی مباح کر دیتی ہیں"ضبطِ تولید کے حوالے سے یہ قانون بھی پیشِ نظر رہے:" **ما جاز للضرورة يتقدر بقدرها** "[38] جو چیز ضرورت کی وجہ سے جائز ہو وہ بقدرِ ضرورت ہی ثابت ہوتی ہے" یہ بات طے پا گئی کہ ضبطِ تولید کی جن صورتوں میں جواز کی گنجائش دی گئی ہے وہ استحسان بالضرورت اور استحسان بالدفع حرج کی

خاطر دی گئی ہے یعنی یہاں بھی شرعی ماٰخذ استحسان نے امتِ مسلمہ کو مشکلات سے نکالا ہے اگرچہ یہ اصطلاح مفتیانِ کرام بہت ہی کم استعمال کرتے نظر آتے ہیں۔

(۶): ٹیسٹ ٹیوب بے بی کی مخصوص حالت میں کڑی شرائط کے ساتھ استحسان بالضرورت کے ساتھ اجازت ہے اگرچہ قیاس اس کی پھر بھی اجازت نہیں دیتا۔

ٹیسٹ ٹیوب بے بی کیا ہے؟

مصنوعی طریقے سے بچہ حاصل کرنے کی اس میں یہ صورت ہوتی ہے کہ: عورت اور مرد دونوں کے جرثومے حاصل کئے جاتے ہیں جنہیں اصطلاح میں (Eggs) اور Sperms کہتے ہیں ان کو ایک ٹیوب میں بارہ (۱۲) ہفتے رکھا جاتا ہے۔ جس میں وہ تمام لوازمات (Ingredients) پائے جاتے ہیں جو کہ رحمِ مادر (Womb) میں ہوتے ہیں پھر ان جرثوموں کو غیر فطری طریقے (بذریعہ انجیکشن) سے رحمِ مادر میں داخل کیا جاتا ہے اور یوں نو ماہ بعد بچے کی پیدائش عمل میں آتی ہے۔[39]

قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ درست نہ ہو کیوں کہ یہ ایک غیر فطری عمل ہے قیاس کے قائلین کہتے ہیں کہ بچہ کی پیدائش کا اللہ تعالیٰ نے جو فطری طریقہ پیدا کیا ہے جس میں مرد اور عورت کے اختلاط کے بعد نطفہ رحم میں ٹھہر جاتا ہے اور پہلے علقہ بنتا ہے اور پھر مضغہ بنتا ہے اور پھر اس میں جان ڈال دی جاتی ہے ٹیسٹ ٹیوب بے بی کا یہ عمل اس فطری طریقہ کے خلاف ہے اور اس سے فطرت اللہ، خلق اللہ اور سنت اللہ کی تبدیلی لازم آتی ہے اس لئے ٹیسٹ ٹیوب بے بی کا یہ عمل مطلقاً ناجائز اور حرام ہے کیوں کہ اس عمل سے قرآن مجید کی حسبِ ذیل آیات کی مخالفت لازم آتی ہے: ''فِطْرَتَ اللهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللهِ''[40] (اے لوگو!) اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی فطرت کو لازم کرلو جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی فطرت میں تبدیلی نہ کرو ''وَلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّیَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَیُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعٰمِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَیُغَیِّرُنَّ خَلْقَ اللهِ وَمَنْ یَّتَّخِذِ الشَّیْطٰنَ وَلِیًّا مِّنْ دُوْنِ اللهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِیْنًا ''[41] قسم ہے میں ضرور بہکادوں گا اور ضرور انہیں آرزوئیں دلاؤں گا اور ضرور انہیں کہوں گا کہ وہ چوپایوں کے کان چیریں، اور ضرور انہیں کہوں گا کہ وہ اللہ کی پیدا کی ہوئی چیزیں بدل دیں اور جو اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو دوست بنائے وہ صریح نقصان میں پڑا'' اس دوسری آیت میں جانوروں کے کان کاٹنے کو بھی خلق اللہ میں تغییر قرار دیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کو شیطانی عمل اور اخروی نقصان کا موجب قرار دیا ہے پس نطفہ کا استقرار اور اس کی پرورش کا رحم میں ہونا تو سنت اللہ اور فطرت اللہ کے مطابق ہے اور

رحم کے بجائے ٹیوب میں اس کا استقرار اور پرورش سنت اللہ اور خلق اللہ کو تبدیل کرنا ہے اور قرآن مجید کے مطابق یہ شیطان کے حکم پر عمل کرنا اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑنا ہے لہٰذا اس کے ناجائز ہونے میں کیا کلام ہو سکتا ہے۔[42]

استحسان کے مطابق حسبِ ذیل صورتوں میں ٹیسٹ ٹیوب بے بی کے ذریعے عملِ تولید شرعاً جائز ہے:

(الف) شوہر میں تولیدی جرثومے ہوں لیکن وہ کسی بیماری کی وجہ سے عملِ تزویج پر قادر نہ ہو ایسی صورت میں شوہر کے تولیدی جرثوموں اور بیوی کے انڈوں کے ٹیوب میں ملاپ کے بعد ولادت کے لئے اس کی بیوی کے رحم میں ان انڈوں کو رکھنا جائز ہے۔

(ب) شوہر میں تولیدی جرثومے بھی ہوں اور وہ عملِ تزویج پر بھی قادر ہو لیکن کسی خرابی کے باعث وہ تولیدی جرثومے سے نسوانی نالی (Fallopian Tube) تک نہ پہنچ سکیں اس صورت میں بھی شوہر کے جرثوموں اور بیوی کے انڈوں کو لے کر ٹیسٹ ٹیوب بے بی کا عمل کرنا اور بعد ازاں بیوی کے رحم میں منتقل کرنا جائز ہے۔

(ج) نسوانی نالی سکڑ جانے یا اس میں انفیکشن ہو یا کوئی اور خرابی ہو جس کی وجہ سے کاشت شدہ انڈے رحم کی طرف سفر نہ کر سکیں ایسی صورت میں مرد کے جرثوموں اور بیوی کے انڈوں کا ٹیسٹ ٹیوب میں ملاپ کرانا اور خلیات میں متشکل کرانے کے بعد بیوی کے رحم میں رکھنا جائز ہے۔

(د) بیوی کے رحم کی ساخت میں کوئی ایسی خرابی ہو جس کی وجہ سے مرد کے جرثومے نسوانی نالی میں نہ پہنچ سکیں پھر بھی دونوں کے مادوں کا ٹیوب میں ملاپ کرانا جائز ہے۔[43]

فقہاءِ اسلام نے اس کو جائز قرار دیا ہے کہ بغیر مجامعت مرد کے مادّہ منویہ کو عورت کی اندامِ انہانی میں پہنچا دیا جائے، جس سے عورت حاملہ ہو جائے، یہ عمل اگرچہ نادر ہے لیکن اس سے نسب ثابت ہو جائے گا[44] اور یہ بعینہ ٹیسٹ ٹیوب بے بی کا جزئیہ ہے، اللہ تعالیٰ ہمارے فقہاء پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے جنہوں نے اب سے کئی سو برس پہلے ایسے اصول وضوابط بیان کر دیئے جن کی رہنمائی سے کئی سو برس بعد پیش آنے والے مسائل حل ہو گئے ہیں اُن قواعد میں سے چند ذیل میں سپردِ قلم کیے جا رہے ہیں جیسے: "**المشقة تجلب التيسير**"[45] مشقت آسانی لے آتی ہے "**الضرر يُزالُ**" [46] "ضرر کو دور کیا جائے گا" "**الامور بمقاصدها**" [47] امور اپنے مقاصد کے لحاظ سے دیکھے جائیں گے "دلیلِ استحسان کے ذریعے ذکر کی گئیں صورتوں کو جائز قرار دیئے جانے پر دلائل یہ ہیں:

امام فخر الدین زیلعی حنفی (المتوفی: ۷۴۳ ہجری) لکھتے ہیں: "**وما قيل لا يلزم من ثبوت النسب منه وطؤه لأن الحبل قد يكون بإدخال الماء الفرج دون جماع فنادر**" [48] اور یہ جو کہا گیا ہے کہ کسی شخص

سے ثبوتِ نسب سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس نے جماع بھی کیا ہو، کیوں کہ بغیر جماع کے بھی عورت کی اندامِ نہانی میں نطفہ پہنچانے سے عورت حاملہ ہو جاتی ہے پس یہ نادر الوقوع ہے۔"

علامہ برہان الدین(المتوفی:٦١٦ہجری)لکھتے ہیں:"**وإن كان الزوج مجبوباً وہی لم تعلم بحاله فجاء ت بولد فادعاه وأثبت القاضی نسبه ثم علمت بحاله وطلبت الفرقة فلہا ذلک، قال: لأن الولد لزمه بغیرجماع.**"[49] اگر شوہر کا آلۂِ تناسل کٹا ہوا ہو اور عورت کو اس کا پتا نہ ہو اور بچے کو جنم دے دے تو خاوند اس بچے کا دعویٰ کرے اور قاضی اس سے نسب ثابت کر دے پھر عورت کو اس کے حال کا علم ہو اور وہ علیحدگی طلب کرے تو اس کے لئے جائز ہے، کیوں کہ بچہ اس سے بغیر جماع کے پیدا ہوا ہے۔"

جس شخص کا آلۂِ تناسل کٹا ہوا ہو اور وہ جماع نہ کر سکتا ہو ایسے شوہر کا نطفہ بغیر جماع کے کسی اور ذریعہ سے عورت کی اندامِ نہانی میں پہنچے اور بچہ پیدا ہو جائے تو اس کا نسب عورت کے شوہر سے ثابت ہو گا اور چوں کہ وہ شخص جماع نہیں کر سکتا اس لئے فقہاء نے عورت کو علیحدگی کے مطالبہ کی اجازت دے دی۔

تبیین الحقائق اور فتح القدیر کی عبارات سے یہ واضح ہو گیا کہ اگر شوہر نے بغیر جماع کے اپنا نطفہ عورت کی اندامِ نہانی میں پہنچا دیا اور بچہ پیدا ہو گیا تو اس سے نسب ثابت ہو جائے گا فقہاءِ اسلام کی یہ عبارات مذکور الصدر ٹیسٹ ٹیوب بے بی کے از روئے استحسان جواز کی واضح دلیل ہیں قیاس کا مقیس علیہ دو آیات کو بنایا گیا ہے پہلی آیت(**فِطْرَتَ اللهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ الله**[50] میں فطرت اللہ سے مراد انسانی پیدائش کا عادی اور فطری عمل نہیں ہے بلکہ اس سے مراد دین اسلام ہے یہ آیت پوری اس طرح ہے:"**فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَتَ اللهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللهِ ذٰلِکَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ**"[51] تو آپ سب سے الگ اور صرف اسی کے ہو کر اپنے آپ کو اللہ کے دین کے لئے قائم رکھیں۔(اے لوگو!)اپنے اوپر اللہ کی بنائی ہوئی فطرت(دین اسلام)کو لازم کر لو جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے اللہ کی پیدا کی ہوئی فطرت میں کچھ ردوبدل نہیں ہو سکتا"اس پوری آیت کو پڑھنے سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ فطرت اللہ سے مراد دین اسلام ہے اور اس پر شاہد حسبِ ذیل تفاسیر ہیں:

اَبو الحسن مقاتل بن سلیمان(المتوفیٰ:١٥٠ھ)رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:"**فِطْرَتَ اللهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْہَا 52 یعنی ملةَ الإسلام التوحید الذی خلقہم علیه ثم أخذ المیثاقَ من بنی آدم من ظہورہم ذُرِّيَّتَہم**"[53] اپنے اوپر اللہ کی بنائی ہوئی فطرت(دین اسلام)کو لازم کر لو جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے یعنی ملتِ اسلام کو، کہ وہ توحید جس پر اس نے پیدا کیا پھر بنی آدم سے ان کی پشتوں میں ان کی اولاد سے پختہ عہد

لیا" "عن الضحاک فی قوله: فِطْرَتَ اللهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْہَا [54] قال: دینَ الله الذی فطر خلقه عَلَیْه" [55] اللہ تعالیٰ کا فرمان "فِطْرَتَ اللهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا" [56] سے مراد حضرت ضحاک فرماتے ہیں یہ کہ: اللہ کا دین جس پر اس (اللہ تعالیٰ) نے اسے (انسان) کو پیدا فرمایا" اَبو بکر محمد بن الحسن ،ابن فورک (المتوفیٰ:۴۰۶ھ) بیان کرتے ہیں: "وقیل: (فِطْرَتَ اللهِ) [57] دین الإسلام. عن مجاہد. وقیل: (لَا تَبْدِیلَ لِخَلْقِ اللهِ) [58] أی: لدین اللهِ عن مجاہد وقتادة" [59] اور بتایا گیا ہے کہ حضرت مجاھد سے مروی ہے کہ (فِطْرَتَ اللهِ) سے مراد دینِ اسلام ہے اور حضرت مجاہد وقتادۃ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "(لَا تَبْدِیلَ لِخَلْقِ اللهِ) میں لخلق اللہ سے مراد دین اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کا دین ہے "فطرت کے حوالے سے درج ذیل حدیثِ نبوی ﷺ بھی موضوع کو سمجھنے میں ممدومعاون ہے: "قال رسول الله صلی الله علیه وسلم "کل مولود یولد علی الفطرة، فأبواه یُہَوِّدانِه، اویُنَصِّرانِهٖ " [60] رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ہر بچہ فطرت یعنی دینِ اسلام پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے والدین اس کو یہودی یا عیسائی بنادیتے ہیں" پوری آیت اور اس کی تفسیر اور متعلقہ حدیث پاک سے واضح ہوگیا کہ اس آیت میں فطرت اللہ سے مراد دینِ اسلام ہے اور اس کا تعلق انسان کی پیدائش کے فطری اور عادی عمل سے نہیں ہے لہٰذا اس آیت سے ٹیسٹ ٹیوب بے بی کے ذریعے عملِ تولید کے بطلان پر استدلال ساقط ہوگیا۔

ثبوتِ قیاس کے لئے دوسری آیت: (وَلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّیَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَیُبَتِّکُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعٰمِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَیُغَیِّرُنَّ خَلْقَ اللهِ وَمَنْ یَّتَّخِذِ الشَّیْطٰنَ وَلِیًّا مِّنْ دُوْنِ اللهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِیْنًا) " [61] قسم ہے میں ضرور بہکادوں گا اور ضرور انہیں آرزوئیں دلاؤں گا اور ضرور انہیں کہوں گا کہ وہ چوپایوں کے کان چیریں، اور ضرور انہیں کہوں گا کہ وہ اللہ کی پیدا کی ہوئی چیزیں بدل دیں اور جو اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو دوست بنائے وہ صریح نقصان میں پڑا") جس میں مویشیوں کے کان چیرنے اور اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی صورتوں کو تبدیل کرنے کو شیطان کی اتباع قرار دیا ہے اس سے بھی مطلق اللہ تعالیٰ کی بنائی صورت میں تبدیلی کی ممانعت مراد نہیں ہے اس بات کی وضاحت حسبِ ذیل تفسیر سے ہوتی ہے: امام فخر الدین الرازی (المتوفی: ۶۰۶ ہجری) لکھتے ہیں: "ہو قطع آذان البحیرة بإجماع المفسرین، وذلک أنہم کانوا یشقون آذان الناقة إذا ولدت خمسة أبطن وجاء الخامس ذکرا، و حرموا علی أنفسہم الانتفاع بہا. وقال آخرون: المراد أنہم یقطعون آذان الأنعام نسکا فی عبادة الأوثان فہم یظنون أن ذلک عبادة مع أنه فی نفسه کفر وفسق. خامسہا: قوله ولآمرنہم فلیغیرن خلق الله ---أن المراد من تغییر خلق الله تغییر دین الله، وہو

قول سعيد بن جبير وسعيد بن المسيب والحسن والضحاك ومجاهد والسدى والنخعى وقتادة"[62]مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ اس سے مراد بحیرہ کے کانوں کو کاٹنا ہے اور جب اونٹنی پانچ جنم دیتی اور پانچویں دفعہ اگر وہ مذکر کو جنم دیتی تو وہ (بت پرست) اونٹنی کے کانوں کو کاٹ دیتے تھے اور اس سے نفع اٹھانا اپنے اوپر حرام کر دیتے اور بعض نے کہا کہ: مراد یہ ہے کہ وہ بتوں کی عبادت میں ان کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے جانوروں کے کانوں کو کاٹ دیتے تھے پھر گمان کرتے کہ یہ عبادت ہے حالاں کہ وہ فی نفسہ کفر اور فسق ہے، پانچواں اللہ تعالیٰ کا فرمان: "وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللهِ"[63](اور ضرور انہیں کہوں گا کہ وہ اللہ کی پیدا کی ہوئی چیزیں بدل دیں) تغییر خلق اللہ سے مراد تغییر دین اللہ ہے اور یہ قول حضرت سعید بن جبیر، سعید بن المسیب، الحسن، الضحاک، مجاہد، السدی، النخعی اور قتادہ رضی اللہ عنھم کا ہے۔"

مذکور الصدر سے ثابت ہوا کہ ٹیسٹ ٹیوب بے بی تغییر خلق اللہ نہیں ہے بلکہ یہ تو ایک علاج کی صورت ہے نیز اگر مرد بیوی کے ساتھ مجامعت کرے اور آلہ پر کنڈوم (ساتھی) چڑھالے اور اس کے ذریعے مادہ تولید حاصل کرے اس میں کوئی شرعی خرابی نہیں ہے اسی طرح مرد بیوی کے ساتھ مجامعت کرے اور کسی چیز میں عورت کے انڈے حاصل کرے تو اس میں بھی کوئی خرابی نہیں ہے (بشرطِ کہ مادہ منویہ میاں بیوی کا ہی ہو اور بچہ دانی بھی اپنی بیوی کی ہی ہو) رہا چند دنوں کے لئے اس مادہ کو ٹیوب میں رکھنا تو یہ بھی شرعاً جائز ہے[64] کیوں کہ یہ علاج کا ایک طریقہ ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تَداوَوْا عباد الله، فإن الله سبحانه لم يَضَعْ داءً إلا وضع معه شفاءً"[65] اللہ کے بندو! علاج کراؤ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی بیماری نہیں بنائی مگر اس کے لئے دواء بنائی ہے "اس ساری گفتگو سے ثابت ہوا کہ اگر ٹیسٹ ٹیوب بے بی میں میاں بیوی کے ہی جرثومے ہوں اور اس سارے عمل میں کسی دوسرے مرد یا عورت کے جرثومے شامل نہ ہوں اور ضرورت بھی کار فرما ہو تو استحسان بالضرورت کے تحت ٹیسٹ ٹیوب بے بی کے جواز کی گنجائش موجود ہے۔

خلاصۃُ البحث:

یہاں عصرِ حاضر کے چھ (6) مسائل کو دلیلِ استحسان کی معاونت سے حل کیا گیا ہے اور ساتھ ساتھ قیاس کا تقاضا اور مدعیٰ بھی تحریر ہے اور تمام احکام کو مضبوط و مدلّل انداز میں لکھنے کی بھر کوشش کی گئی ہے اور ساتھ بتایا دیا گیا ہے کہ اگر قیاس پر عمل کیا جائے تو فلاں فلاں ضرر، قباحت اور فساد لازم آتا ہے استحسان اللہ تعالیٰ کی طرف سے عظیم نعمت ہے جو اقویٰ دلائل کی مدد سے امتِ مسلمہ کے جدید آمدہ مسائل کا حل سر تا پا حُسن و جمال سے لبریز اور مدلّل انداز میں پیش کرتا ہے اور ہر دور کی طرح موجودہ تیز ترین سائنسی و ٹیکنالوجی ترقی کے زمانے میں استحسان کی

ضرورت واہمیت مزید بڑھ گئی ہے کیوں کہ استحسان کا طریقۂ استدلال اور خوبصورت انداز ماضی کی طرح حال میں بھی مقبولِ عام ہے چوں کہ عصرِ حاضر میں استحسان کی طرف التفات نہ ہونے کے برابر ہے اور معاصر فقہی مسائل کو استحسان کی مدد سے حل کرنے کی طرف توجہ کی شدید ضرورت ہے اسی مقصد کی خاطر عصری مسائلِ فقہ کو احناف کے مشہور و معروف شرعی مآخذ "**استحسان**" کو بطورِ دلیل بناتے ہوئے کچھ شرعی احکام کا حل پیش کرنے کی کوشش کی ہے تاکہ استحسان کے ذریعے امتِ مسلمہ سے دفعِ ضرر کو ممکن بنا کر آسانی اور سہولت فراہم کی جاسکے۔

نتائج

1۔استحسان مضبوط دلائل کی بنیاد پر اُمتِ مسلمہ کو آسانی اور سہولت دینے اور تنگی، مشقت اور ضرر سے محفوظ رکھنے کا دوسرا نام ہے۔

2۔موجودہ دور جس میں بے بنیاد انتہاء پسندی، شدت پسندی اور بغیر کسی شرعی وجہ کے سچے پکے مسلمانوں کو دائرۂ اسلام سے خارج کر دیا جاتا ہے ایسے میں استحسان صبر و تحمل، برداشت اور اعتدال پسندی کا ماحول فراہم کرتا ہے۔

3۔استحسان اسم بامسمیٰ ہے یعنی فی الحقیقت استحسانی احکام و مسائل اپنے ظاہر و باطن میں حُسن و جمال رکھتے ہیں۔

4۔عصری مسائل میں جہاں بھی لوگوں کو دِقت و مشقت سے نکال کر آسانی اور سہولت دی گئی ہے وہاں اکثر مقام پر دراصل قیاس کو چھوڑ کر استحسان کو ہی بنیاد بنا کر حکم لگایا گیا ہے۔

5۔نئے مسائل کے متعلق فتاویٰ جات اور دیگر کتب میں کئی جدید مسائل کا حل ایسا پیش کیا گیا ہے جس کی بنیاد فی الحقیقت استحسان ہے اگرچہ وہاں استحسان کا ذکر موجود نہیں ہے۔

6۔موجودہ دور میں استحسان سے استفادہ کا باقاعدہ انتظام و انصرام نہ ہونے کے برابر ہے۔

7۔عصرِ حاضر کے کثیر مسائل، احکام اور مشکلات کا مستحسن حل استحسان ہے۔

8۔استحسان مفتی، عالم اور اہل علم میں رواداری، صبر و تحمل اور برداشت پیدا کرتا ہے اور حُسن و جمال سے لبریز حل پیش کرنے کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

9۔اُصولِ استحسان انسانی مزاج کو مقاصد الشریعہ کے قریب کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔

10۔استحسان تحفظِ مقاصد الشریعہ اور دفعِ مفاسد المعاشرہ کی پاسداری کا دوسرا نام ہے۔

11۔استحسان اپنے اصول و ضوابط کا پابند ہے۔

12۔استحسان فقہ اور اصول فقہ میں گہرے غور و غوض کا نام ہے سطحی سوچ والے اس اُصول سے کماحقہ استفادہ نہیں کر سکتے۔

13۔ استحسان بالخصوص فقہاءِ کرام اور بالعموم امتِ مسلمہ کے لئے اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ اخص الخاص نعمت ہے۔
14۔ جدید مسائل کو حل کرنے کے سلسلے میں استحسان منظرِ عام سے تقریباً غائب تھا یعنی عصری احکام کو بذریعہ استحسان حل نہیں کیا گیا یہ مقالہ اس جانب ایک چھوٹی سی سعی ہے، اور بتادیا گیا ہے کہ معاصر فقہی جزئیات کو اصولِ استحسان کے ساتھ حل کیا جاسکتا ہے۔ الغرض "مآخذ استحسان" اسلامی شریعت کی ایک ایسی شناخت ہے جو اس کے محاسن کو نمایاں کرتی ہے اور دیگر مآخذ کے روبہ عمل لانے کی ظاہری نوعیتوں کے مقابلہ پر حقیقی شرعی مزاج کو پیشِ نظر رکھتی ہے۔ اور اسی حقیقی شرعی مزاج کی روشنی میں عصرِ حاضر کے فقہی مسائل کو حل کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور یہی زیرِ نظر مقالہ سے مقصود ہے۔

سفارشات

۱۔ اہل علم و فضل، علماء کرام، دینی سکالرز اور بالخصوص مفتیانِ کرام کو جدید مسائل کو استحسان کی مدد سے حل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔
۲۔ تخصص فی الفقہ (مفتی کورس) میں استحسان کا باقاعدہ نصاب مرتب کر کے پڑھایا جائے خصوصاً استحسانی اصول وضوابط کے اِطلاق کی عصری احکام پر بار بار مشق کروائی جائے جس کے اثرات معاشرے پر بہت ہی مثبت مرتب ہوں گے۔
۳۔ کثیر نئے مسائل ایسے ہیں جن میں قیاس کو ترک کر کے استحسان کی بناء پر جواز کا فتویٰ دیا گیا ہے لیکن استحسان کا وہاں صراحۃً ذکر نہیں کیا گیا ضرورت اس امر کی ہے کہ ان تمام یا اکثر مسائل کو استحسان کے تحت ذکر کر کے الگ کیا جائے تاکہ جدید مسائل کو حل کرنے میں استحسان کے استعمال کو زیادہ سے زیادہ یقینی بنایا جاسکے۔
۴۔ دینی مدارس اور یونیورسٹیز کی سطح پر استحسان پر کانفرنسز منعقد کی جائیں اور زیادہ سے زیادہ استحسان پر آرٹیکل لکھے جائیں تاکہ عصری مسائل کو مستحسن انداز میں حل کرنے کی حوصلہ افزائی ہوسکے۔
۵۔ بطورِ دلیل استحسان کو زیادہ سے زیادہ رائج کیا جائے۔
6۔ پیش آمدہ نئے مسئلہ کو اجتہاد کے ذریعے حل کرنے سے قبل استحسان کے تحت ضرور دیکھا جائے۔
7۔ مقاصد الشریعہ کے حصول کے لئے استحسان بکثرت پڑھایا جائے۔
8۔ معاشرے میں مثبت تبدیلی کے حصول کے لئے یونیورسٹی سطح پر فقہ کے نصاب میں استحسان کو باقاعدہ شامل کیا جائے۔

9۔ امتِ مسلمہ کو آگاہ کیا جائے کہ فقہِ حنفی میں جن تمام مسائل میں قیاس کو چھوڑ کر استحسان پر فتویٰ دیا گیا ہے وہاں اکثر مقام پر استحسان بالنص کی وجہ سے قیاس کو ترک کیا گیا ہے، تا کہ استحسان سے استفادہ کی طرف راہ ہموار ہو۔

10۔ چوں کہ استحسان فقہ اور اصول فقہ میں گہرے غور و غوض کا نام ہے اس لئے دینی و دنیاوی جامعات میں ماہرینِ فقہ کی کمیٹی تشکیل دی جائے جو استحسان کی ترویج واشاعت اور عصری مسائل کے حل کے لئے بھرپور جانفشانی سے محنت و مشقت کریں تا کہ امتِ مسلمہ کے واسطے شریعت پر عمل کرنے کی آسان راہ کھل سکیں۔

11۔ استحسان پر کام کرنے والے ماہرینِ فقہ سب سے پہلے بالاستعاب بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع کا گہرا مطالعہ کریں بالخصوص استحسانی جزئیات، اُن کے دلائل، استحسان پر وارد والے اعتراضات کے جوابات اور ترکِ قیاس کی وجوہ و دلائل کا دقیق نظر سے مطالعہ کریں تا کہ معاصر فقہی مسائل پر استحسان کے اطلاق میں آسانی پیدا ہو۔

حوالہ جات

[1] الآمدی، علی بن أبی علی الثعلبی،أبو الحسن سید الدین (المتوفى :٦٣١ ہ) الإحکام فی أصول الأحکام، بیروت:المکتب الإسلامی، ١٥٧/٤

[2] الجرجانی ،علی بن محمد بن علی الزین ،الشریف(المتوفى :٨٠٦ہ)،کتاب التعریفات، بیروت :دار الکتب العلمیة ١٤٠٣ہ ،باب الألف،ص١٨

[3] الآمدی، الإحکام فی أصول الأحکام، النوع الثاني مذهب الصحابي ،١٥٨/٤

[4] الزرکشی، محمد بن عبد الله،أبو عبد الله بدر الدین (المتوفى :٧٩٤ ہ)،البحر المحیط فی أصول الفقه،دار الکتبی،الطبعة: الأولى ، ١٤١٤ہ ،فی ضمن الاستحسان، ٩٩/٨

[5] البیهقی،أحمد بن الحسین،الخُسْرَوْجِردی الخراسانی، أبو بکر (المتوفى: ٤٥٨ ہ)،شعب الایمان،المحقق: الدکتور عبد العلی عبد الحمید حامد ،الریاض :مکتبة الرشد للنشر والتوزیع ،الطبعة: الأولى، ١٤٢٣ہ/ ٢٠٠٣ م،باب حفظ اللسان،فصل وممایجب حفظ اللسان منه الفخر بالاباء ، ١٣٢/٧ ،رقم الحدیث:٤٧٧٤

[6] الکاسانی، أبو بکر بن مسعود بن أحمد الحنفی،علاء الدین، (المتوفى :٥٨٧ ہ)،بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ، بیروت: دار الکتب العلمیة ، الطبعة الثانیة، ١٤٠٦ہ/١٩٨٦ء ،کتاب النکاح،فصل شرط کفاء ة الزوج فی إنکاح المرأة الحرة،٣١٧/٢

[7] البیهقی،أحمد بن الحسین ،الخراسانی،أبو بکر (المتوفى :: ٤٥٨ ہ)،السنن الکبری،المحقق: محمد عبد القادر عطا، بیروت:دار الکتب العلمیة، الطبعة: الثالثة ،١٤٢٤ہ/ ٢٠٠٣م،کتاب النکاح،باب اعتبار الکفاءة، ٢١٥/٧ ،رقم الحدیث: ١٣٧٦١

[8] الکاسانی ،بدائع الصنائع، کتاب النکاح،فصل شرط کفاء ة الزوج فی نکاح المرأة الحرة،٣١٧/٢

9 السرخسی ،محمد بن أحمد بن أبی سهل، شمس الأئمة (المتوفى : ٤٨٣ ہ)،أصول السرخسی،بیروت:دار المعرفة ،کتاب النکاح،باب الأکفاء ،25,26/5

[10] الزُّحَيْلِي،وهبة ،الفِقْهُ الإسلاميُّ وأدلَّتُه،دار الفکر ،دمشق،سوريَّة ،الباب الاول،الفصل الخامس ،٢٢٣/٩

[11] السرخسی ،المبسوط ،کتاب النکاح،باب الأکفاء ،۲۲/۵تا۲۵

[12] رحمانی،خالد سیف اللہ ،جدید فقہی مسائل، راولپنڈی:مکتبہ اسلامی4- B ،سٹی پلازہ،کالج روڈ، جلد اول،دوم،ص۱۸۱

[13] الشامی، محمد أمین بن عمر بن عبد العزیزعابدین الدمشقی الحنفی (المتوفی :۱۲۵۲ ہ)،رد المحتار علی الدر المختار، بیروت:دار الفکر ، الطبعة: الثانیة،۱٤۱۲ہ ،۱۹۹۲ ء،کتاب الطلاق،باب النفقة،۵۸۵/۳

[14] البخاری،محمد بن إسماعیل أبو عبدالله، الجعفی،(المتوفی :۲۵٦ ہ) صحیح البخاری،دار طوق النجاة ، ترقیم محمد فؤاد عبد الباقی،الطبعة: الأولی،۱٤۲۲ہ،کتاب النفقات،باب عون المرأة زوجها فی ولده،٦٦/۷،رقم الحدیث:۵۳٦۷

[15] الترمذی،محمد بن عیسی ، أبو عیسی (م :۲۷۹ ہ)،الجامع الکبیر (سنن الترمذی)،المحقق: بشار عواد معروف، بیروت:دار الغرب الإسلامی، سنة النشر۱۹۹۸م،ابواب النکاح،باب ما جاء فی الولیمة،۳۹۳/۲، رقم الحدیث:۱۰۹٤

[16] تقی عثمانی،مفتی ،تکملہ فتح الملہم، کراچی:مطبوعہ مکتبہ دار العلوم، الطبع الثانی،۱٤۰۷ہ،۱۱۳/۱

17 ابن ماجة ، محمد بن یزید القزوینی،أبو عبد الله (المتوفی :۲۷۳ ہ)،سنن ابن ماجه ،المحقق: شعیب الأرنؤوط،دار الرسالة العالمیة، الطبعة: الأولی،۱٤۳۰ہ ،۲۰۰۹ ء،ابواب الفتن،باب السواد الأعظم، ۹٦/۵،رقم الحدیث:۳۹۵۰

[18] الجرجانی،علی بن محمد بن علی الزین الشریف(المتوفی :۸۱٦ ہ)،کتاب التعریفات، بیروت:دار الکتب العلمیة ،الطبعة: الأولی ۱٤۰۳ہ/ ۱۹۸۳م ،باب المیم،ص۲۱۳

19 سعیدی،غلام رسول،علامه،شرح صحیح مسلم، لاہور :فرید بک سٹال،۳۸ اردوبازار، الطبع العاشر، ۱٤۲٤ہجری،۲۰۰۳ء، ۹۹۸/۳

[20] سعیدی،غلام رسول،علامه،تبیان القرآن، لاہور:فرید بک سٹال ،اردو بازار،الطبع الثانی:۱٤۲٦ہجری، ۲۰۰۵ء، ٦٦۲/۲

[21] البقرة 229:2

[22] البقرة 231:2

[23] القرطبی، محمد بن أحمد،الأنصاری الخزرجی شمس الدین ،أبو عبد الله (المتوفی :٦۷۱ ہ)،الجامع لأحکام القرآن (تفسیر القرطبی)، القاہرة:دار الکتب المصریة ، الطبعة: الثانیة،۱۳۸٤ہ/۱۹٦٤م،(سورة بقرة، آیت۲۳۱)،۱۵۵/۳

[24] الدارقطنی، علی بن عمر،البغدادی،أبو الحسن (المتوفی : :۳۸۵ ہ)،سنن الدارقطنی،المحقق: شعیب الارنؤوط، بیروت:مؤسسة الرسالة، الطبعة: الأولی،۱٤۲٤ہ/۲۰۰٤ م،کتاب النکاح،باب المہر،٤۵۲/٤،رقم الحدیث:۳۷۸۰

[25] ا بن رشد،محمد بن أحمد ،القرطبی ،أبو الولید (المتوفی :۵۹۵ ہ)،بدایة المجتہد ونہایة المقتصد، القاہرة:دار الحدیث ،الطبعة: بدون طبعة ، تاریخ النشر۱٤۲۵ہ/۲۰۰٤م،کتاب النکاح،الفصل الثانی فی خیار الإعسار بالصداق والنفقة،۷۵/۳،74

[26] شامی،رد المحتار علی الدر المختار،کتاب القضاء، مطلب فی قضاء القاضی بغیر مذہبه،٤۱٤/۵

[27] ایضاً ،کتاب السرقه،۹۵/٤

[28] سعیدی، شرح صحیح مسلم،1006،1007/۳

[29] الانعام 151:6

[30] بنی اسرائیل31:17

[31] ھود 6:11

[32] عبد الرزاق بن ہمام بن نافع الحمیری، أبو بکر (المتوفی : ۲۱۱ ہـ) المصنف، بیروت:المکتب الإسلامی ، ۱٤۰۳ ہـ،کتاب النکاح،باب وجوب النکاح وفضله،۱۷۳/٦،رقم الحدیث:۱۰۳۹۱

[33] سعیدی، شرح صحیح مسلم ،۸۷۹/۳

[34] امام غزالی،محمد بن محمد ،ابو حامدالطوسی،(المتوفی :۵۰۵ھ)احیاء علومِ الدین، بیروت:دار المعرفه، ۵۲/۲

[35] سعیدی، شرح صحیح مسلم،887،888/۳

[36] علاؤالدین البخاری،عبد العزیز بن أحمد بن محمد،الحنفی (المتوفی :۷۳۰ ہـ)،کشف الأسرار شرح أصول البزدوی،دار الکتاب الإسلامی،الطبعة: بدون طبعة وبدون تاریخ ،٤۹/۳؛ایضًاالکافی شرح البزودی، باب شروط القیاس، ۱۷۱٦/٤

[37] الشاطبی ،إبراہیم بن موسی بن محمد اللخمی الغرناطی(المتوفی :۷۹۰ ہـ) الموافقات،دار ابن عفان،الطبعة: الطبعة الأولی ۱٤۱۷ہـ/۱۹۹۷م، کتاب الاجتہاد،الطرف الأول: فی الاجتہاد، ۹۹/۵

[38] السیوطی،عبد الرحمن بن أبی بکر، جلال الدین (المتوفی :۹۱۱ ہـ)،الأشباہ والنظائرللسیوطی،دار الکتب العلمیة،الطبعة: الأولی ، ۱٤۱۱ہـ/ ۱۹۹۰م ، الکتاب الثانی،القاعدة الحادیة والثلاثون: النفل أوسع من الفرض ،ص۱۵٤

[39] مجلسِ دعوت وتحقیقِ اسلامی،فتاویٰ بینات، کراچی:جامعه العلوم الاسلامیه،بنوری ٹاؤن، ۱٤۲۷ہجری،۲۰۰٦م،۲۹۲/٤

[40] الروم ۳۰:۳۰

[41] النسآء 119:4

[42] سعیدی، شرح صحیح مسلم،۹٤۰/۳

[43] ایضاً،936،937/۳

[44] ابن نجیم ،زین الدین بن إبراہیم بن محمد،المصری (المتوفی : ۹۷۰ ہـ)،البحر الرائق شرح کنز الدقائق،دار الکتاب الإسلامی،الطبعة: الثانیة ،بدون تاریخ،کتاب الطلاق،باب ثبوتِ النسب ،۱٦۹/٤

[45] السبکی، عبد الوہاب بن تقی الدین تاج الدین (المتوفی :۷۷۱ ہـ)،الأشباہ والنظائر دار الکتب العلمیة،الطبعة: الأولی۱٤۱۱ہـ،۱۹۹۱م،القاعدة الثالثة، ٤۹/۱

؛ایضاً:الزرکشی، محمد بن عبد الله بن بہادر الشافعی،أبو عبد الله بدر الدین (المتوفی :۷۹٤ ہـ)۔تشنیف المسامع بجمع الجوامع لتاج الدین السبکی،مکتبة قرطبة للبحث العلمی وإحیاء التراث،توزیع المکتبة المکیة،الطبعة: الأولی،۱٤۱۸ہـ،۱۹۹۸م،الکتاب الخامس: فی الاستدلال، ٤٦٦/۳

[46] الزرکشی،محمد بن عبد الله بن بہادر،بدر الدین ،أبو عبد الله، الشافعی (المتوفی : ۷۹٤ ہـ)،تشنیف المسامع بجمع الجوامع،مکتبة قرطبة للبحث العلمی،الطبعة: الأولی،۱٤۱۸ہـ،۱۹۹۸م،الکتاب الخامس:فی الاستدلال، ٤٦۳/۳

؛ایضاًالسبکی،عبد الوہاب بن تقی الدین،تاج الدین(المتوفى :٧٧١ ہ)،الأشباه والنظائر،دار الكتب العلمية،الطبعة: الأولى١٤١١ہ، ١٩٩١م، القاعدة الثانية: الضرر يزال، ٤١/١

[47] ابن نجيم، زين الدين بن إبراهيم بن محمد، المصري (المتوفى: 970ھ) الاشباه والنظائر على مذہب ابى حنيفة النعمان، بيروت:دار الكتب العلمية، الطبعة: الأولى، 1419 ھ - 1999 م،الفن الاول: القواعد الكلية، ص23

[48] الزيلعى ،عثمان بن على بن محجن البارعى، فخر الدين الحنفى (المتوفى : ٧٤٣ ہ)، تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق وحاشية الشِّلْبِيِ، الحاشية: شہاب الدين أحمد بن محمد بن أحمد بن يونس بن إسماعيل بن يونس الشِّلْبِيُّ (م١٠٢١ ہ)، القاہرة:المطبعة الكبرى الأميرية ،بولاق، الطبعة: الأولى،١٣١٣ہ ،كتاب الطلاق،باب ثبوتِ النسب،٣٩/٣

؛ایضًا ابن الہمام، محمد بن عبد الواحد السيواسى ،كمال الدين (المتوفى ٨٦١ ہجری)فتح القدير،دار الفكر،الطبعة: بدون طبعة وبدون تاريخ ،كتاب الطلاق،باب ثبوتِ النسب ، ٣٥٠/٤

[49] برہان الدين، محمود بن أحمدَ البخارى الحنفى، أبو المعالى (المتوفى : ٦١٦ہ) ،المحيط البرہانى فى الفقه النعمانى فقه الإمام أبى حنيفة رضى الله عنه، بيروت :دار الكتب العلمية، الطبعة: الأولى، ١٤٢٤ ہ ٢٠٠٤ء،كتاب النكاح،الفصل الثالث والعشرون: فى العنين والمجبوب والخصى،١٧٦/٣

[50] الروم ٣٠:٣٠

[51] ایضاً

[52] ایضاً

[53] مقاتل بن سليمان بن بشير الأزدى البلخى،أبو الحسن (المتوفى :١٥٠ ہ)،تفسير مقاتل بن سليمان، بيروت:دار إحياء التراث، الطبعة: الأولى ١٤٢٣ہ،(سورة الروم ٣٠) : الآيات(١ الى ٦٠)٤١٣/٣

[54] الروم ٣٠:٣٠

[55] ابن أبى حاتم،أبو محمد عبد الرحمن بن محمد،التميمى، الحنظلى، الرازى (المتوفى :٣٢٧ ہ)،تفسير القرآن العظيم لابن أبى حاتم، المملكة العربية السعودية:مكتبة نزار مصطفى الباز، الطبعة: الثالثة١٤١٩ہ،(سورة الروم ٣٠،آيت ٣٠)،٣٠٩١/٩،رقم الحديث:١٧٤٩٠

[56] الروم ٣٠:٣٠

[57] ایضاً

[58] ایضاً

[59] ابن فورک،محمد بن الحسن الأنصارى الأصبہانى، أبو بكر (المتوفى :٤٠٦ ہ)،تفسير ابن فورک، المملكة العربية السعودية:جامعة أم القرى،الطبعة الأولى١٤٣٠ہ/٢٠٠٩م،(سورة الروم ٣٠) : الآيات ٣٠ الى٣٥،ص٤٣٠

[60] مالک بن أنس، الأصبحى المدنى (المتوفى : ١٧٩ہ)،الموطألامام مالک،المحقق: محمد مصطفى الأعظمى، أبو ظبى:مؤسسة زايد بن سلطان آل نہيان للأعمال الخيرية والإنسانية، الطبعة: الأولى،١٤٢٥ہ/٢٠٠٤ م،٣٣٨/٢،رقم الحديث:٨٢٣

؛ایضاً:أحمد بن محمد بن حنبل ،الشيبانى(المتوفى :٢٤١ ہ)،مسند الإمام أحمد بن حنبل،المحقق: أحمد محمد شاكر،القاہرة:دار الحديث ، الطبعة: الأولى، ١٤١٦ہ/ ١٩٩٥م،حديث/ عبد الرحمن بن أبى بكر رضى الله تعالىٰ عنه،٤٢٤/٧،رقم الحديث:٧٦٩٨

[61] النسآء 119:4

[62] الرازی،محمد بن عمرالتیمی ،خطیب الری،فخر الدین،أبو عبد الله (المتوفى :٦٠٦ ہ)،مفاتیح الغیب اوالتفسیر الکبیر(تفسیر الرازی)، بیروت:دار إحیاء التراث العربی ، الطبعة: الثالثة١٤٢٠ہ،سورة النساء ٤ : (الآیات١١٦الی١٢٢)،٢٢٣/١١

[63] النسآء119:4

[64] سعیدی،شرح صحیح مسلم ،٩٤٤/٣

[65] ابن ماجة،محمد بن یزید القزوینی،أبو عبد الله (المتوفى :٢٧٣ ہ)،سنن ابن ماجه،المحقق: شعیب الأرنؤوط،دار الرسالة العالمیة،الطبعة: الأولى، ١٤٣٠ ہ/٢٠٠٩م،ابواب الطب،باب ما أنزل الله داء إلا أنزل له شفاء ،٤٩٧/٤،رقم الحدیث:٣٤٣٦